اللہ اکبر ـــ بعض تخلیقی پہلو اور اس کے تقاضے

جناب ڈاکٹر منصور علی صاحب

ابتدائیہ | رفائل (REFAEL) اٹلی کا ایک مشہور و معروف مصوّر گزرا ہے، اس کی معرکۃ الآرا پینٹنگز میں وہ پینٹنگ بھی شامل ہے جس میں اس نے یونان کے دو مایۂ ناز فلسفیوں افلاطون اور ارسطو کو کائنات میں جھانکتے ہوئے دکھایا ہے۔ اس کے ذریعہ مصوّر یہ تأثر دینا چاہتا ہے کہ ازل سے تمام منکرین کائنات کے متعلق غور و خوض کرتے رہے ہیں۔ یہاں یقیناً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لوگ کائنات کے حوالے سے کن کن پہلوؤں پر سوچتے رہے ہیں۔

اُن لوگوں کی سوانح عمریوں کے مطالعے سے جنہوں نے تاریخ کے اوراق پر اپنے اپنے نقشِ پا چھوڑے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی فکر کا محور ہمیشہ سے چند بنیادی سوالات ہی رہے ہیں مثلاً میری حقیقت کیا ہے؟ میں کس منصوبے کے لیے پیدا کیا گیا ہوں؟ اس کائنات کا خالق کون ہے؟ یہ کائنات کس لیے بنائی گئی ہے؟ اس کائنات کی وسعت کیا ہے؟ یہ کائنات کب بنی اور کب ختم ہو سکتی ہے؟ اور اسی قسم کے دوسرے سوالات۔ بظاہر یہ سوالات بہت معمولی سے نظر آتے ہیں لیکن ٹھنڈے دل و دماغ سے جب ہم اس پر غور کرتے ہیں تو اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ وہ دولت جس کی تلاش اس وقت کے ہر انسان کو ہے، اُس کا انحصار بہت حد تک اُنہی جوابات اور ان کے تقاضوں کو سمجھ لینے میں ہے۔

اِن سوالات کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کریں کہ بیسویں صدی کا معروف ماہرِ نفسیات ڈی ینگے (DE YOUNGE) جب اسّی سال کا ہو گیا تو اپنے آپ سے یہ سوال کرتا ہے کہ میں کون ہوں اور کس لیے پیدا کیا گیا ہوں؟ اسی طرح جرمنی کا مشہور سائنسدان سومرفلڈ (SOMMER FELD) اپنی زندگی کے آخری ایام میں وہی بنیادی سوال کرتا ہوا پایا گیا اور غضب یہ ہے کہ ان سوالات کے صحیح جوابات تک ان کی رسائی نہیں ہوئی۔

یہی سوالات ایک اور زاویے سے اہمیت اختیار کر جاتے ہیں کیونکہ خوشی کا حصول مقصد سے وابستہ ہے۔ لہٰذا جب تک مقصد واضح نہ ہو اس وقت تک خوشی کا حاصل ہو جانا آسان نہیں۔ انسانوں اور جنوں کی زندگی کا مقصد "عبادت" بتایا گیا ہے جس سے دو اہم سوالات کے جوابات سامنے آجاتے ہیں۔ انسان کی حقیقت کا تعین کر دیا گیا کہ وہ "عبد" ہے، لہٰذا اس کی زندگی کا مقصد معبود کی "عبادت" ہونا چاہیے۔ اس تصورِ عبدیت میں کامل سپردگی ضروری ہے۔ خرابیاں اُس وقت سر اُٹھاتی ہیں جب کامل سپردگی کی جگہ تحفظات اور مصلحتیں سامنے آتی ہیں۔

اکثر لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ جب مسئلہ اس قدر آسان ہے تو پھر لوگ غلطی کا شکار کیوں ہو جاتے ہیں۔ بات بہت ہی آسان ہے۔ لیکن اس پر عمل کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔ کیونکہ اپنے آپ کو عبد یا غلام مان کر دراصل اس بات کا اعلان کرنا ہے کہ میں اپنے تمام حقوق سے دست بردار ہوتا ہوں اور جس کے حق میں دست بردار ہوتا ہوں اُس کو فی الحقیقت صرف اپنے ہی سے نہیں، بلکہ سب سے بڑا تصور کرتا ہوں۔ اس حقیقت کو قبول کرنا اپنی ذات کی نفی ہے اور اس کے لیے لوگ کم ہی تیار ہوتے ہیں۔

اپنی ذات کی نفی اور دوسری ذات کو بڑا ماننا گو کہ آسان عمل نہیں ہے لیکن اس عمل کے سارے مراحل بآسانی طے پا جاتے ہیں۔ جب دوسری ذات کی عظمت اور بڑائی کا صحیح ادراک اور معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور اس کام میں آفاق و انفس پر غور و خوض بہت زیادہ ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں

کائنات کے متعلق غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔

اَللّٰہُ اَکبر۔ بعض تخلیقی دلائل :۔

کائناتی پہلو | یہ تو سبھی مانتے آئے ہیں (علمی ترقی اور تحقیق کے ساتھ ساتھ ماننے کا عمل آسان سے آسان تر ہوتا جائے گا) کہ اس کائنات کا خالق بہت بڑا ہے جو چیز سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ آخر کتنا بڑا ہے تو آیئے ہم اس سوال کو موجودہ دور کے علم کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کریں۔

اِس کائنات کے بارے میں ماہرینِ علومِ فلکیات کا کہنا ہے کہ یہ ایک گیند کی مانند ہے اور اس گیند کا قطر 1.5×10^{23} کلومیٹر کے برابر ہے یعنی

۱۵۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰ کلومیٹر ہے۔

جس میں کم و بیش دس ارب کہکشائیں ہیں اور بالعموم ایک کہکشاں میں اربوں ستارے اور سیارے ہیں۔ کہکشاں کی جسامت اور بڑے پن کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ کہکشاں کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچنے میں روشنی کو ایک لاکھ سال لگتے ہیں جب کہ روشنی ایک سال میں ساٹھ کھرب میل سفر طے کرتی ہے۔

رب کائنات کی عظمت کے تصور کی ایک جھلک پانے کے لیے ذرا یہ تصور کیجیے کہ اس کہکشاں کا رقبہ جس کا حصّہ ہمارا نظامِ شمسی ہے اس کاغذ کے صفحہ کے برابر ہے تو اس کاغذ پر کوئی بھی نقطہ (۔) ہمارے نظامِ شمسی (سورج نو سیارے اور اس کے جملہ چاند یا سیٹلائیٹس) کے کل مجموعے کا رقبہ ظاہر کرے گا۔

یہ تو ہے خالقِ کائنات کی عظمت کا ایک پہلو، اب ذرا حضرت انسان کی سوچ اور رفعت کے متعلق غور کریں۔ وہ انسان جو اپنی دماغی صلاحیتوں کی بدولت چاند کو مسخر کر چکا ہے، مریخ، زہرہ، عطارد اور دوسرے سیاروں پر کمند ڈال رہا ہے۔ انسان ہی جیسی چیز بنانے کی کوشش میں "روبٹ" (ROBOT) بنا کر ہزاروں کی تعداد میں انہیں کارخانوں میں استعمال کر رہا ہے اور یہ دعویٰ کر بیٹھا ہے کہ ۲۰۱۵ عیسوی میں مخصوص صلاحیتوں کے متحمل انسان کسی بھی تعداد میں پیدا کیے

جا سکیں گے۔ اپنی تمام فکری صلاحیتوں کے باوجود کس قدر محدود اور لاچار ہے اس کا اندازہ اس بات سے فرمائیں کہ دنیا میں اس وقت تقریباً پانچ ہزار زبانیں بولی جاتی ہیں، ان میں سے کسی زبان میں بھی کوئی ایک لفظ ایسا نہیں ہے جو 10^{23} کے عدد کو ظاہر کر سکے۔ ہندی کے علم ہندسہ میں مہا سنکھ ایک لفظ ملتا ہے جو 10^{15} ظاہر کرتا ہے۔ اس طرح یہ بات سامنے آتی ہے کہ انسان اپنی تمام فکری رفعتوں کے باوجود اللہ کی تخلیقی عظمتوں اور وسعتوں کا ادراک نہیں کر سکا ہے اور نہ ہی آئندہ صحیح معنوں میں کر سکے گا۔ دوسرے معنوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ انسان بہت چھوٹا ہے اور اللہ بہت بڑا۔

نباتاتی پہلو نباتات انسانی زندگی کے لیے ضروری ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شروع ہی سے ان پر تحقیق کی جا رہی ہے۔ ایک سائنس دان نے سیب پر عجیب و غریب قسم کی تحقیق کی۔ ایک علاقے میں اس نے سیب کے کچھ پودے لگائے اور ان تمام پودوں کی اس طرح دیکھ بھال کی کہ جتنی کھاد ایک پودے کو دی اتنی ہی دوسرے پودے کو اور اسی طرح جتنا پانی ایک پودے کو دیا اتنا ہی دوسرے پودے کو دیا۔ جب پودے بار آور ہوئے تو ہر پودے پر نشان لگا کر اس کے تمام پھل اور پتے مختلف ٹوکروں میں جمع کیے گئے۔ پھر ہر پتا اور پھل دقتِ احتیاط سے وزن کیا گیا اور جب تمام وزنوں کا آپس میں موازنہ کیا گیا تو ہر پتا اور ہر پھل وزن کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ اَلْعَظْمَةُ لِلّٰهِ۔

حیوانی پہلو زیبرا (ZEBRA) جنگلی گدھا جس کی کھال لکیر دار ہوتی ہے بچوں کی نگاہ کا اکثر مرکز بن جاتا ہے اور افریقہ میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ ایک سائنس دان زیبرا کی جلد کی لکیروں کا ایک عرصہ تک مائکروسکوپ کے ذریعہ معائنہ کرتا رہا، جس کے نتیجہ میں وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہر زیبرا کی جلد کی لکیر کے تفصیلی نقش و نگار (PATLERN STRUCTURE) کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ اللہ کی قدرتِ تخلیق کی ایک اور منہ بولتی دلیل۔

انسانی پہلو

قرآن کا یہ کہنا "اور تمہارے اندر (نشانیاں) ہیں"۔ انسان کے اندر اَن گِنت نشانیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے، جس جس پہلو سے دیکھیں اور جس جس حصّہ کو دیکھیں، اپنے طور پر یہ ہر ایک نشانی نہیں، بلکہ نشانیوں کا ایک انبار لگاتا چلا جائے گا۔ انسان اللہ کی تخلیق کا ایک شاہکار ہے۔ چار چیزوں کی قسم کھا کر اس کی تخلیق کا ذکر کیا گیا ہے اور ایک نظم کے تحت انسان پیدا ہوتا ہے۔ بظاہر ایک ہی ضابطہ کے تحت پیدا ہونے والا انسان ایک دوسرے سے بہت حد تک مماثلت رکھتا ہوا نظر آتا ہے لیکن اس مماثلت کی حقیقت کیا ہے اِسے درج ذیل دو مثالوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔

اِس وقت دنیا میں پانچ ارب ستائیس کروڑ انسان بستے ہیں اور ہر ایک انسان عام طور پر دو انگوٹھوں سے نوازا گیا ہے اور دُنیا کے تمام ملکوں میں ہاتھ کے انگوٹھوں کے نشانات کو شناخت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ تحقیق یہ بتاتی ہے کہ ہر انسان کے انگوٹھوں کے نشانات کی تفاصیل میں بیّن فرق ہے۔ صرف یہی نہیں کہ مختلف انسانوں کے نشاناتِ انگوٹھا میں فرق ہے۔ بلکہ ایک ہی انسان کے دونوں انگوٹھوں کے نشانات میں بھی فرق موجود ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی کہ اس وقت دس ارب اٹھاون کروڑ مختلف نشاناتِ انگوٹھا پائے جاتے ہیں۔

عام طور پر تو یہی ہوتا ہے کہ ایک کارخانہ سے ایک ہی قسم کا مال نکلتا ہے۔ ذرا اختلاف بھی برداشت نہیں کیا جاتا۔ اختلاف کی صورت میں اس کی قیمت میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اس اُصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ہر انسان کی پیدائش کے لیے اللہ تعالیٰ نے الگ الگ کارخانے لگائے ہوتے ہیں جہاں اس کے لیے تمام چیزیں تیار ہوتی ہیں۔ اس طرح اس وقت تک کے انسانوں کے لیے تقریباً دس ارب اٹھاون کروڑ مختلف کارخانے ہاتھوں کے انگوٹھوں کے نشانات کی خاطر معرضِ وجود میں آ چکے ہیں۔ جسم کے ایک ادنیٰ سے حصّہ کے لیے تو اتنا بڑا انتظام ہے تو مکمل انسان کے لیے کیا کچھ ہوگا اس کا تصوّر بھی حیران و مبہوت کر دینے کے

لیے کافی ہے۔ اَللہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

کہا جاتا ہے کہ نظامِ شمسی کا سورج تقریباً چار ارب سال کے بعد ٹھنڈا ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اس عدد کی تخریج میں بہت سارے مفروضے کام کر رہے ہیں جن کا سو فی صد درست ہونا صحیح نہیں ہوگا گویا کہ اس سے پہلے تک زمین کو سورج کی گرمی میسر آتی رہے گی اور زندگی کے آثار اس زمین پہ پائے جائیں گے۔ اس رُو سے زمین پر رہنے والے تمام انسانوں کی ضرورت اسی زمین سے پوری ہوتی ہے (ممکن ہے کہ مستقبل میں یہ صورت برقرار نہ رہے) تو عقل کا یہ تقاضا ہے کہ ہمیں یہاں جو چیزیں میسر ہیں انہیں کم سے کم مقدار میں استعمال کریں اور زیادہ سے زیادہ احتیاط برتیں تاکہ چیزیں ضائع نہ ہونے پائیں۔ اسی فکر نے دوسری جنگِ عظیم کے بعد "کم سے کم مقدار میں استعمال MICRO MINICTURIGATION کے تصور کو عام کیا اور اب صورتِ حال یہ ہے کہ قلم کی نب کے سر جیسی چھوٹی چیز پہ تین ہزار سے زائد ریڈیو ایمپلی فائر ANPLIFIER بنائے جا رہے ہیں۔ یہ تو ہے فکرِ انسانی کے ذریعہ سامنے آنے والی چیز۔

اب ذرا ربّ کائنات کی تخلیق کا ایک نمونہ دیکھیں۔ چار اعضائے رئیسہ میں جگر بھی شمار کیا جاتا ہے۔ اس کا اوسط وزن ۱.۵ کلو گرام کے برابر ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ یہ جگر چھ سو کیمیاوی کارخانوں کا مجموعہ ہے جن میں سے ۴۸ تو روزانہ کام کرتے ہیں اور بقیہ ۵۵۲ حالتِ ایمرجنسی میں ضروری اجزاء فراہم کرتے ہیں۔

ایک کیمیاوی کارخانے کے لیے کیا کچھ چاہیے اس کا اندازہ کرنا ہو تو کسی ایک کیمیاوی کارخانے کو جا کر دیکھ لیں اور پھر تصور کریں کہ ایسے چھ سو کارخانوں کا ایک جگہ یکجا کیا جانا کیا کچھ طلب کرتا ہے۔ انسانی جگر جیسی چھوٹی سی چیز میں چھ سو کارخانوں کا جاری و ساری ہونا ہی دراصل MICRO-MINITURIGATION کا کمال ہے اور یہ عمل انسانی دماغ کی ساخت اور اس کے فعل میں بامِ عروج کو جا پہنچتا ہے۔

اللہ اکبر کے تقاضے | درج بالا چند مثالوں سے اللہ کتنا بڑا ہے، کی ایک

خفیف سی جھلک سامنے آتی ہے لیکن یہ شعور کہ اللہ ہی سب سے بڑا ہے، انتہائی قیمتی متاع ہے۔ یہی شعور جتنا راسخ ہوگا اتنا ہی زیادہ یقین سے وہ مالا مال ہوگا یہی وجہ ہے کہ "اللہ اکبر" اسلام کے شعار میں شامل ہے۔ اس شعور کو حرزِ جاں بنانے کے لیے اور غفلت سے تحفظ کے لیے ۲۴ گھنٹے کی پنج گانہ نماز میں اللہ اکبر کا ۹۴ مرتبہ ورد کرنے کی تاکید کی گئی۔ یوں تو آج بھی ہر جگہ یہ صدا سنائی دیتی ہے لیکن اپنی رُوح سے خالی ہے۔

دراصل انسان اس کائنات میں اپنی حیثیت کو بھول گیا ہے۔ اللہ اکبر کی عظیم آواز اسی لیے بار بار دہرائی جاتی ہے تاکہ انسان اپنے بھولے ہوئے مقام کی طرف پلٹ آئے۔